

كِتَابًا مِنْ قَبْلِهِ فَهُمْ بِهِ مُسْتَهْسِنُونَ ۚ ۱۱۰ ۱۱۱
 أَبَاءَ نَا عَلَىٰ أُفَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ أَثْرِهِمْ مُهْتَدُونَ ۚ ۱۱۲ وَكَذَلِكَ مَا
 أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَزِيلٍ إِلَّا قَالَ مُتَرْفُوهَا لَا
 إِنَّا وَجَدْنَا أَبَاءَ نَا عَلَىٰ أُفَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ أَثْرِهِمْ مُقْتَدُونَ ۚ ۱۱۳
 قُلْ أَوْلَوْ جَهْنَمْ إِلَّا هُدًى مِنَّا وَجَدْتُمْ عَلَيْكُمْ أَبَاءَ كُمْ قَالُوا إِنَّا

کوئی کتاب ان کو دی تھی جس کی سند (اپنی اس ملائکہ پرستی کے لیے) یا اپنے پاس رکھتے ہوں؟ [۱۱۰] نہیں، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ [۱۱۱] اسی طرح تم سے پہلے جس بستی میں بھی ہم نے کوئی نذر بھیجا، اس کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقش قدم کی پیرودی کر رہے ہیں۔ [۱۱۲] ہر بھی نے ان سے پوچھا، کیا تم اسی ڈگر پر چلے جاؤ گے خواہ میں تمہیں اس راستے سے زیادہ صحیح راستہ بتاؤں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے؟ انہوں نے سارے رسولوں کو یہی جواب دیا کہ

[۱۱۳] مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی جہالت سے یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے وہ جو گنہ اللہ کی مشیت کے تحت ہو رہا ہے، اس لیے ضرور اس کو اللہ کی رضا بھی حاصل ہے۔ حالانکہ اللہ کی پسند اور ناپسند معلوم ہونے کا ذریعہ وہ واقعات نہیں ہیں جو دنیا میں ہو رہے ہیں، بلکہ اللہ کی کتاب ہے جو اس کے رسول کے ذریعے سے آتی ہے اور جن میں اللہ خود بتاتا ہے کہ اسے کون سے عقائد، کون سے اعمال، اور کون سے اخلاق پسند ہیں اور کون سے ناپسند۔ پس اگر قرآن سے پہلے آئی ہوئی کوئی کتاب ان لوگوں کے پاس ایسی موجود ہو جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہو کہ فرشتے بھی میرے ساتھ تمہارے معبود ہیں اور تم کو ان کی عبادت بھی کرنی چاہیے، تو یہ لوگ اس کا حوالہ دیں۔ (مزید تفیرخ کے لیے ملاحظہ ہو، الانعام، حواشی، ۱۷، ۸۰، ۱۱۰، ۱۲۳، ۱۲۵، ۹۳، ۹۵، ۳۲۳-۳۰۔ الزمر، حاشیہ ۲۰۔ یوسف، حاشیہ ۱۴۱، ہود، حاشیہ ۱۱۶۔ الرعد، حاشیہ ۲۹۔ الحلق، حواشی ۱۰، ۳۰-۳۲۳۔ الشوری، حاشیہ ۱۱)

[۱۱۴] یعنی ان کے پاس کسی کتاب الہی کی کوئی سند نہیں ہے بلکہ سند صرف یہ ہے کہ باپ دادا سے یونہی ہوتا چلا آ رہا ہے، لہذا ہم بھی انہی کی تقدیم میں فرشتوں کو دیویاں بنائے بیٹھے ہیں۔

[۱۱۵] یہ بات قبل غور ہے کہ ابیاء کے مقابلے میں انہوں کر باپ دادا کی تقدیم کا جھنڈا بند کرنے والے ہر زمانے میں اپنی قوم کے کھاتے پیتے لوگ ہی کیوں رہے ہیں؟ اس کے نیادی وجود و وحشی۔ ایک یہ کہ کھاتے پیتے اور خوش حال طبق اپنی دنیا بنانے اور اس سے لطف اندوڑ ہونے میں اس قدر منہمک ہوتے ہیں کہ حق اور باطل کی، بر عالم خوبیش، دُور از کار بحث میں سر کھلانے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ دوسرے یہ کہ قائم شدہ نظام سے ان کے مفاد پوری طرح وابستہ ہو چکے ہوتے ہیں، اور انہیاں علیهم السلام کے پیش کردہ نظام کو دیکھ کر پہلی ہی نظر میں وہ بھاپ جاتے ہیں کہ یہ آئے گا تو ان کی چودھراہٹ کی بساط بھی پیٹ گر کر کھو دی جائے گی اور ان کے لیے اگل حرام اور فعل حرام کی بھی کوئی آزادی باقی نہ رہے گی۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ جو سورۃ الانعام، آیات ۱۲۳-۱۲۲، الاعراف،

بِهَا أَرْسَلْتُمْ بِهِ كُفَّارُونَ ۝ فَأَنْتُمْ نَعْمَلُ مِنْهُمْ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لَرَبِّهِ وَقَوْمَهُ إِنَّنِي
بَرَأَءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ۝ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِي إِنِّي
وَجَعَلَهَا كِلِّهَا بِأَقْيَاهُ فِي عَرْقِيهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ بَلْ مَتَّعْتُ
هُوَ لَهُ وَابَاءُهُ حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُولٌ مُّصَيْنٌ ۝ وَلَهُمَا

جس دین کی طرف بلانے کے لیے تم بھیج گئے ہو، مم اُس کے کافر ہیں۔ آخر کار ہم نے ان کی خبر لے ڈالی اور دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ہے

یاد کرو وہ وقت جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ "تم جن کی بندگی کرتے ہو میرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ میرا تعلق صرف اس سے ہے جس نے مجھے پیدا کیا، وہی میری رہنمائی کرے گا" اور ابراہیم یہی کلمہ اپنے پیچھے اپنی اولاد میں چھوڑ گیا تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔^[۲۴] (اس کے باوجود جب یہ لوگ دوسروں کی بندگی کرنے لگے تو میں نے ان کو مٹا نہیں دیا) بلکہ میں انھیں اور ان کے باری دادا کو متاثع حیات دیتا رہا

آیات ۲۰-۲۲-۲۵-۷۸-۱۰۹-۱۲۷-۳۸-۲۷-بی اسرائیل، آیت ۲۰۳-المونون، ۲۳-۳۳-۳۲-۷۳-۶۳-۲۰-آیت ۳۲، سپاه، آیت ۳۲، حاشیه (۵۲)

[۲۳] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو، {سورہ بقرہ، آیات ۱۲۲-۱۳۳۔ الانعام، آیات ۲۷-۸۳۔ ابراہیم، آیات ۳۵-۳۶۔ مریم، آیات ۳۱ تا ۵۰۔ الانبیاء، آیات ۱۵ تا ۷۳۔ اشراء، آیات ۲۹ تا ۷۸۔ العنكبوت، آیات ۱۶ تا ۲۷} {الصافات، آیات ۲۷ تا ۸۳۔ حوا و شیعہ، آیات ۳۲ تا ۵۵۔

[۲۵] ان الفاظ میں حضرت ابراہیم نے محض اپنا عقیدہ ہی بیان نہیں کیا بلکہ اس کی دلیل بھی دے دی۔ دوسرے معبودوں سے تعلق نہ رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ نہ انہوں نے پیدا کیا ہے، نہ وہ کسی معاملہ میں صحیح رہنمائی کرتے ہیں، نہ کر سکتے ہیں۔ اور صرف اللہ وحدہ اشیک سے تعلمت، جوڑ نہ کاہد ہے سے کر وہ اسے ادا کر نہ ۱۱۰ سے اور وہی انسان اکا صحیح رہنمائی کرتا ہے اور کر سکتا ہے۔

[۲۶] یعنی یہ بات کہ خالق کے سوا کوئی معمود ہونے کا مشق نہیں ہے۔

[۲۷] یعنی جب بھی را درست سے ذرا قدم ہے تو یہ کلمہ ان کی رہنمائی کے لیے موجود ہے اور وہ اسی کی طرف پلٹ آئیں۔ اس واقعہ کو جس غرض کے لیے بھاں بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ کفار قریش کی نامعقولیت کو پوری طرح بے ناقب کر دیا جائے اور انہیں اس بات پر شرم دلائی جائے کہ تم نے اسلاف کی تقلید اختیار کی بھی تو اس کے لیے اپنے بدترین اسلاف حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو چھوڑ کر اپنے بدترین اسلاف کا انتخاب کیا۔ جنہوں نے حضرت ابراہیم و اسماعیل کے طریقے کو چھوڑ کر گرد و پیش کی بت پرست قوموں سے شرک سکھ لیا۔

[۲۸] اصل میں رَسُولُ مُبِينٍ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن کا دوسرامطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسا رسول آگیا جس کا رسول ہونا بالکل ظاہر و باہر تھا۔

جَاءَهُمُ الْحَقُّ قَاتِلُوا هَذَا سِحْرٌ وَّا تَابِهَ كَفُرُونَ ۝ وَقَاتِلُوا لَوْلًا
 نَزَّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَاتِينَ عَظِيمٌ ۝ أَهُمْ
 يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسْبَنَا بَيْنَهُمْ مَمْعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ
 الْدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَتٌ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ
 بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّنَ الْجَمَعِونَ ۝ وَلَوْلَا أَنْ

یہاں تک کہ ان کے پاس حق، اور کھول کھول کر بیان کرنے والا رسول^[۲۸] آم گیا۔ مگر جب وہ حق ان کے پاس آیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ یہ تو جادو ہے^[۲۹] اور ہم اس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ کہتے ہیں، یہ قرآن دونوں شہروں کے بڑے آدمیوں میں سے کسی پر کیوں نہ نازل کیا گیا؟^[۳۰] کیا تیرے رب کی رحمت یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ دنیا کی زندگی میں ان کی گزر بسر کے ذرائع تو ہم نے ان کے درمیان تقسیم کیے ہیں، اور ان میں سے کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر ہم نے بدرجہا فوقیت دی ہے تاکہ یہ ایک دوسرے سے خدمت لیں^[۳۱] اور تیرے رب کی رحمت (نبوت) اُس

[۲۹] تشریع کے لیے ملاحظہ ہو، الانبیاء، حاشیہ ۵، سورہ حصہ، حاشیہ ۵۔

[۳۰] دونوں شہروں سے مراد مکہ اور طائف ہیں۔ کفار کا یہ کہنا تھا کہ اگر واقعی خدا کوئی رسول بھیجنा ہوتا اور وہ اُس پر اپنی کتاب نازل کرنے کا ارادہ کرتا تو ہمارے ان مرکزی شہروں میں سے کسی بڑے آدمی کو اس غرض کے لیے منتخب کرتا۔ رسول بنانے کے لیے اللہ میاں کو ملا بھی تو وہ شخص جو یہیم پیدا ہوا، جس کے {پاس نہ دولت ہے نہ کسی خانوادے کی سربراہی}۔ یہ تھا ان لوگوں کا استدلال۔ پہلے تو وہ یہی ماننے کے لیے تیار نہ تھے کہ کوئی بشر بھی رسول ہو سکتا ہے۔ مگر جب قرآن مجید میں پے در پے دلائل دے کر ان کے اس خیال کا پوری طرح ابطال کر دیا گیا، تو انہوں نے یہ دوسری اپنیت ابد لا کہ اچھا، بشری رسول سمجھی، مگر وہ کوئی بڑا آدمی ہونا چاہیے۔

[۳۱] یہ ان کے اعتراض کا جواب ہے جس کے اندر چند مختصر الفاظ میں بہت سی اہم باتیں ارشاد ہوئی ہیں:
 پہلی بات یہ کہ کیا یہ طے کرنا ان کا کام ہے کہ اللہ اپنی رحمت سے کس کو نوازے اور کس کو نہ نوازے؟ (یہاں رب کی رحمت سے مراد اُس کی رحمت عام ہے جس میں سے ہر ایک کو کچھ منہ کچھ ملتا ہتا ہے)۔

دوسری بات یہ کہ نہ بت تو خیر بہت بڑی چیز ہے، دنیا میں زندگی بسر کرنے کے جو عام ذرائع ہیں، ان کی تقسیم بھی ہم نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھی ہے، کسی اور کے حوالے نہیں کر دی۔ ہم کسی کو حسین اور کسی کو بد صورت، کسی کو قوی یہیکل اور کسی کو مکروہ، کسی کو ذہین اور کسی کو کندڑہن، کسی کو سلیم الاعضاء اور کسی کو اپاچ، کسی کو امیرزادہ اور کسی کو فقیرزادہ، کسی کو ترقی یا فتنہ قوم کا فرد اور کسی کو غلام یا پس ماندہ قوم کا فرد پیدا کرتے ہیں۔ اس پیدائشی قسمت میں کوئی ذرۂ برابر بھی دخل نہیں دے سکتا۔ جس کو جو کچھ ہم نے بنادیا ہے وہی کچھ بننے پر وہ مجبور ہے۔ اور ان مختلف پیدائشی حالتوں کا جواہر بھی کسی کی نقدیر پر پڑتا ہے اسے بدل دینا کسی کے بس میں نہیں ہے۔ پھر انسانوں کے درمیان رزق، طاقت، عزت، شہرت، دولت، حکومت وغیرہ کی تقسیم بھی ہم ہی کر رہے ہیں۔ اس عالمگیر خدائی انتظام میں یہ لوگ کہاں فیصلہ کرنے چلے ہیں کہ کائنات کا مالک کے اپنا بھی بنائے اور کسے نہ بنائے۔

۱۹۹۹ ﴿۱۹﴾ يَكُونُ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَكُفِرُ بِالرَّحْمَنِ
لَبِيُوتِهِمْ سُقْفًا فِي مَعَارِجٍ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ ۚ لَوَلَبِيُوتِهِمْ
أَبْوَابًا وَسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَكَبُّونَ ۚ لَوْزُخْرُفًا وَإِنْ كُلُّ ذَلِكَ لَهَا
۲۰۰۰ مَتَاعٌ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ ۚ
۲۰۰۱ وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقِضَ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ۚ

دولت سے زیادہ فیتنی ہے جو (ان کے رئیس) سمیٹ رہے ہیں۔ [۳۲] اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ سارے لوگ ایک ہی طریقے کے ہو جائیں گے تو ہم خدا نے رحمن سے کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتیں، اور ان کی سیڑھیاں جن سے وہ اپنے بالاخانوں پر چڑھتے ہیں، اور ان کے دروازے اور ان کے تخت جن پر وہ تسلیک کر بیٹھتے ہیں، سب چاندی اور سونے کے بنادیتے۔ [۳۳] یہ تو محض حیات دنیا کی متاع ہے، اور آخرت تیرے رب کے ہاں صرف متین کے لیے ہے۔
جو شخص رحمن کے ذکر سے تغافل برتا ہے، ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں اور وہ اس کارنیق بن جاتا ہے۔

تیسرا بات یہ کہ اس خدائی انتظام میں یہ مستقل قاعدہ ملحوظ رکھا گیا ہے کہ سب کچھ ایک ہی کو، یا سب کچھ سب کو دے دیا جائے۔ آنکھیں کھول کر دیکھو۔ ہر طرف تمہیں بندوں کے درمیان ہر پہلو میں تقاوٹ ہی تقاوٹ نظر آئے گا۔ کسی کو ہم نے کوئی چیز دی ہے تو دوسرا کسی چیز سے اس کو خود مکرداری کر دی ہے، اور وہ کسی اور کو عطا کر دی ہے۔ یہ اس حکمت کی بنا پر کیا گیا ہے کہ کوئی انسان دوسروں سے بے نیاز نہ ہو، بلکہ ہر ایک کسی نہ کسی معاملہ میں دوسرے کا محتاج رہے۔ اب یہ کیسا احتفانہ خیال تھا رے دماغ میں سما یا ہے کہ جسے ہم نے ریاست اور وجاهت دی ہے اسی کو بہت بھی دے دی جائے؟ کیا اسی طرح تم یہ بھی کوہے کے عقل، علم، دولت، حسن، طاقت، اقتدار، اور دوسرے تمام کمالات ایک ہی میں جمع کر دیے جائیں۔ اور جس کو ایک چینیں ملی ہے اسے دوسرا بھی کوئی چیز نہ دی جائے؟

[۳۲] یہاں رب کی رحمت سے مراد اس کی رحمت خاص، یعنی نبوت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم اپنے جن رئیسوں کو ان کی دولت و وجاهت اور مشیخت کی وجہ سے بڑی چیز سمجھ رہے ہو، وہ اس دولت کے قابل نہیں ہیں جو محمد ابن عبد اللہ (علیہ السلام) کو دی گئی ہے۔ یہ دولت اس سے بدر جہا زیادہ اعلیٰ درجے کی ہے اور اس کے لیے موزو نیت کا معیار کچھ اور ہے۔ تم نے اگر یہ سمجھ رکھا ہے کہ تمہارا ہر چوڑھری اور سیٹھنی بنتے کا اہل ہے تو یہ تمہارے اپنے ہی ذہن کی پتتی ہے۔ اللہ سے اس نادانی کی توفیق کیوں رکھتے ہو؟

[۳۳] یعنی یہ سرم وزر، جس کا کسی کوں جانا تمہاری نگاہ میں نعمت کی انتہا اور قدر و قیمت کی معراج ہے، اللہ کی نگاہ میں اتنی حضرت چیز ہے کہ اگر تمام انسانوں کے کفر کی طرف ڈھک پڑنے کا خطہ نہ ہوتا تو وہ ہر کافر کا گھر سونے چاندی کا بنا دیتا۔ اس جنس فرمادی کی فراؤ ان آخ رکب سے انسان کی شرافت اور پاکیزگی نفس اور طہارتِ روح کی دلیل بن گئی؟ یہ مال تو ان خبیث ترین انسانوں کے پاس بھی پایا جاتا ہے جن کے گھناؤ نے کردار کی سڑاند سے سارا معاشرہ متعفن ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسے تم نے آدمی کی بڑائی کا معیار بنارکھا ہے۔

[۳۴] وسیع المعنی لفظ ہے۔ رحمن کے ذکر سے مراد اس کی یاد بھی ہے، اس کی طرف سے آئی ہوئی نصیحت بھی، اور یہ قرآن بھی۔

وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسِبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ ۝
 حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُنَا قَالَ يَلَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بُعْدًا الْشَّرِقَيْنِ
 فَبَيْنَ السَّقَرَيْنِ ۝ وَلَنْ يَنْفَعُكُمُ الْيَوْمَ إِذْ ظَلَمْتُمْ أَنْكُمْ فِي
 الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ۝ أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ أَوْ تَهْدِي الْعُمَىَ
 وَمَنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٌ ۝ فَإِمَانُهُنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُمْ
 مُنْتَقِمُونَ ۝ أَوْ نُرِيَّكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِمْ مُقْتَدِرُونَ ۝

یہ شیاطین ایسے لوگوں کو راست پر آنے سے روکتے ہیں، اور وہ اپنی جگہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ٹھیک جا رہے ہیں۔ آخر کار جب یہ شخص ہمارے ہاں پہنچے کا تو اپنے شیطان سے کہے گا، ”کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کا بعد ہوتا، تو تو بدترین ساختی نکلا۔“ اس وقت ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ جب تم ظلم کر چکے تو آج یہ بات تمہارے لیے کچھ بھی نافع نہیں ہے کہ تم اور تمہارے شیاطین عذاب میں مشترک ہیں۔ [۳۵]

اب کیا اے نبی، تم بھروس کو سناو گے؟ یا انہوں اور صرخ گمراہی میں پڑے ہوئے لوگوں کو راہ دکھاؤ گے؟ [۳۶] اب تو ہمیں ان کو سزا دینی ہے خواہ ہم تمہیں دنیا سے اٹھایں، یا تم کو آنکھوں سے ان کا وہ انجام دکھادیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے، ہمیں ان پر پوری قدرت حاصل ہے۔ [۳۷]

[۳۵] یعنی اس امر میں تمہارے لیے تسلی کا کوئی پہلو نہیں ہے کہ تمہیں غلط راہ پر ڈالنے والے کو سزا مل رہی ہے، کیونکہ وہی سزا گمراہی قبول کرنے کی پاداش میں تم بھی پار ہے ہو۔

[۳۶] مطلب یہ ہے کہ جو سننے کے لیے تیار ہوں اور جنہوں نے حقائق کی طرف سے آنکھیں بند نہ کر لی ہوں، ان کی طرف توجہ کرو، اور انہوں کو دکھانے اور بھروس کو سنانے کی کوشش میں اپنی جان نہ کھپاؤ، نہ اس غم میں اپنے آپ کو گھلاتے رہو کہ تمہارے یہ بھائی بند کیوں راہ راست پر نہیں آتے اور کیوں اپنے آپ کو خدا کے عذاب کا مستحق بنارہے ہیں۔

[۳۷] کفار مکہ یہ سمجھ رہے تھے کہ محمد ﷺ کی ذات ہی ان کے لیے مصیبت بنتی ہوئی ہے۔ یہ کا نادر میان سے نکل جائے تو پھر سب اچھا ہو جائے گا۔ اسی مگان فاسد کی بنابرہ شب و روز بیٹھ دینے کر مشورے کرتے تھے کہ آپ کسی نہ کسی طرح ختم کر دیا جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ ان کی طرف سے رُخ پھیر کر اپنے نبی کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تمہارے رہنے یا نہ رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم زندہ رہو گے تو تمہاری آنکھوں کے سامنے ان کی شامت آئے گی، اٹھا لیے جاؤ گے تو تمہارے پیچھے ان کی خبری جائے گی۔ شامت اعمال اب ان کی دامن گیر ہو چکی ہے جس سے یہ نہیں سکتے۔

فَاسْتَهِسِكْ بِاللَّذِي أُوْحِيَ إِلَيْكَ ۝ إِنَّكَ عَلَىٰ صَرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝
وَإِنَّهُ لَذِكْرُكَ وَلَقَوْمِكَ ۝ وَسُوفَ يُسْأَلُونَ ۝ وَسُئَلُ مَنْ
أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا أَجْعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ
۝ إِنَّهُ يَعْبُدُ دُونَ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِإِلَيْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ

تم بہر حال اس کتاب کو مضبوطی سے تھا میرے ہوجو جی کے ذریعہ سے تمہارے پاس بھی گئی ہے، یقیناً تم سیدھے راستے پر ہو۔ [۳۸] حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب تمہارے لیے اور تمہاری قوم کے لیے ایک بہت بڑا شرف ہے اور عنقریب تم لوگوں کو اس کی جواب دہی کرنی ہو گی۔ [۳۹] تم سے پہلے ہم نے جتنے رسول بھیجے تھے ان سب سے پوچھ دیکھو، کیا ہم نے خداۓ رحمٰن کے سوا کچھ دوسرے معبود بھی مقرر کیے تھے کہ ان کی بندگی کی جائے؟ [۴۰]

ہم نے [۴۱] موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ [۴۲] فرعون اور اس کے اعیان سلطنت کے پاس بھیجا

[۳۸] یعنی تم اس فکر میں نہ پڑو کہ ظلم اور بے ایمانی کے ساتھ حق کی مخالفت کرنے والے اپنے کی کیا اور کب سزا پاتے ہیں، نہ اس بات کی فکر کرو کہ اسلام کو تمہاری زندگی میں فروع حاصل ہوتا ہے یا نہیں۔ تمہارے لیے بس یہ اطمینان کافی ہے کہ تم حق پر ہو۔ لہذا متاثر کی فکر کیے بغیر اپنا فرض انجام دیتے چلے جاؤ اور یہ اللہ پر چھوڑ دو کہ وہ باطل کا ستر تمہارے سامنے نیچا کرتا ہے یا تمہارے پیچھے۔

[۳۹] یعنی اس سے بڑھ کر کسی شخص کی کوئی خوش قسمتی نہیں ہو سکتی کہ تمام انسانوں میں سے اس کو اللہ اپنی کتاب نازل کرنے کے لیے منتخب کرے، اور کسی قوم کے حق میں بھی اس سے بڑی کسی خوش قسمتی کا تصور نہیں کیا جاسکتا کہ دنیا کی دوسری سب قوموں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ اس کے ہاں اپنا بھی پیدا کرے اور اس کی زبان میں اپنی کتاب نازل کرے اور اسے دنیا میں پیغام خداوندی کی حامل بن کر اُنھنے کا موقع دے۔ اس شرف عظیم کا احساس اگر قریش اور اہل عرب کو نہیں ہے اور وہ اس کی ناقدری کرنا چاہتے ہیں تو ایک وقت آئے گا جب انہیں اس کی جواب دہی کرنی ہو گی۔

[۴۰] رسولوں سے پوچھنے کا مطلب ان کی لائی ہوئی کتابوں سے معلوم کرنا ہے۔ یعنی یہ کہ خدا کے رسول دنیا میں جو تعلیمات چھوڑ گئے ہیں ان سب میں تلاش کر کے دیکھو، آخر کس نے یہ بات سکھائی تھی کہ اللہ جن شانہ کے سوا بھی کوئی عبادت کا مستحق ہے؟

[۴۱] یہ قصہ یہاں تین مقاصد کے لیے بیان کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ جب کسی ملک اور کسی قوم میں اپنا بھی سمجھ کر اسے وہ موقع عطا فرماتا ہے جو محمد ﷺ کی بعثت سے اب اہل عرب کو اس نے عطا فرمایا ہے، اور وہ اس کی قدر کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اس حماقت کا ارتکاب کرتی ہے جس کا ارتکاب فرعون اور اس کی قوم نے کیا تھا تو پھر اس کا وہ انجام ہوتا ہے جو تاریخ میں نہ مونہ عبرت بن چکا ہے۔ دوسرے یہ کہ فرعون نے بھی موسیٰ علیہ السلام کو اسی طرح حقیر سمجھا تھا جس طرح اب کفار قریش اپنے سرداروں کے مقابلے میں محمد ﷺ کو حقیر سمجھ رہے ہیں۔ مگر خدا کا فیصلہ کچھ اور تھا جس نے آخر بتا دیا کہ اصل میں حقیر و ذیل کون تھا۔ تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ مذاق اور اس کی تنبیہات کے مقابلے میں بیکاری دکھانا کوئی ستا سودا نہیں ہے بلکہ یہ سودا بہت مہنگا پڑتا ہے۔ اس کا خمیازہ جو بھگت چکے ہیں ان کی مثال سے سبق نہ لو گے تو خود بھی ایک روز وہی خمیازہ بھگت کر رہو گے۔

[۴۲] ان سے مراد وہ ابتدائی نشانیاں ہیں جنہیں لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں گئے تھے، یعنی عصا اور

وَمَلَأْنِهِ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٣﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمْ يَأْتِنَا
إِذَا هُمْ مِنْهَا يَضْحَكُونَ ﴿٤﴾ وَمَا نَرِيْهُمْ مِنْ أُبَيْهِ إِلَّا هُمْ أَكْبَرُ مِنْ
أُخْرِهَا ذَوَّا خَدْنَاهُمْ بِالْعَدَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٥﴾ وَقَالُوا يَا إِيَّاهُ
السُّجْرُادُعُ لَنَارَ رَبِّكَ بِمَا عَاهَدَ عِنْدَكَ حِلْلَنَا لَهُمْ تَدْعُونَ ﴿٦﴾
فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَدَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿٧﴾ وَنَادَى قَرْعَوْنُ
فِي قَوْمِهِ قَالَ يَقُوْمُرَالِيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهَذِهِ الْأَنْهَرُ

اور اس نے جا کر کہا کہ میں رب العالمین کا رسول ہوں۔ پھر جب اس نے ہماری نشانیاں ان کے سامنے پیش کیں تو وہ ٹھہرے مارنے لگے۔ ہم ایک ایسی نشانی ان کو دکھاتے چلے گئے جو پہلی سے بڑھ چڑھ کر تھی، اور ہم نے ان کو عذاب میں وھر لیا کہ وہ اپنی روشن سے باز آئیں۔ [۲۲] ہر عذاب کے موقع پر وہ کہتے، اے ساحر، اپنے رب کی طرف سے جو منصب تھے حاصل ہے اس کی بنابر ہمارے لیے اس سے دعا کر، ہم ضرور راہ راست پر آ جائیں گے۔ مگر جوں ہی کہ ہم ان پر سے عذاب ہٹا دیتے وہ اپنی بات سے پھر جاتے تھے۔ [۲۳] ایک روز فرعون نے اپنی قوم کے درمیان پکار کر کہا، [۲۴] دلوگو، کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے، اور یہ نہریں یہ بیضا۔ (ترشیح کے لیے ملاحظہ ہو، الاعراف، آیات ۱۰۶ تا ۱۱۱، طہ، آیات ۱۹ تا ۲۲، ۱۹۵۶۔ ۱۹۵۷، اشراف، آیات ۳۲، ۳۶، ۳۷، آیات ۱۰ تا ۱۲۔ القصص، آیات ۳۱ تا ۳۲)

[۲۴] ان نشانیوں سے مراد وہ نشانیاں ہیں جو بعد میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے ذریعے سے ان کو دکھائیں {تفصیل کے لیے دیکھیے سورہ نبی اسرائیل حاشیہ ۱۱۳}۔

[۲۵] فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی بہت دھرمی کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ جب وہ خدا کے عذاب سے نگ آ کر حضرت موسیٰ سے اس کے ملنے کی دعا کرنا چاہتے تھے اس وقت بھی وہ آپ کو پیغمبر کہنے کے بجائے جادوگر ہی کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ حالانکہ وہ جادو کی حقیقت سے ناواقف نہ تھے، اور ان سے یہ بات چھپی ہوئی نہ تھی کہ یہ کہ شے کسی جادو سے رونما نہیں ہو سکتے۔ رہایہ سوال کہ جب دعا کی درخواست کرتے وقت بھی وہ عالمی حضرت موسیٰ کی توہین کرتا تھا تو آپ اس کی درخواست قبول ہی کیوں کرتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آس جناب کے پیش نظر اللہ کے حکم سے ان لوگوں پر جنت تمام کرنا تھا۔ عذاب تالنے کے لیے ان کا آپ سے دعا کی درخواست کرتا یہ ثابت کر رہا تھا کہ اپنے دلوں میں وہ جان چکے ہیں کہ یہ عذاب کیوں آ رہے ہیں، کہاں سے آ رہے ہیں، اور کون انہیں تال ملتا ہے۔ اس کے باوجود جب وہ بہت دھرمی کے ساتھ آپ کو ساحر کہتے تھے، اور عذاب تال جانے کے بعد راہ راست قبول کرنے کے وعدے سے پھر جاتے تھے، تو درحقیقت وہ اللہ کے نبی کا کچھ نہ بگاڑتے تھے بلکہ اپنے خلاف اس مقدمے کو اور زیادہ مضبوط کرتے چلے جاتے تھے جس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کلئی استیصال کی شکل میں آ خر کر دیا۔

[۲۶] غالباً پوری قوم میں پکارنے کی عمومی صورت یہ رہی ہو گی کہ فرعون نے جوبات اپنے دربار میں سلطنت کے اعیان واکابر اور قوم کے بڑے بڑے سرداروں کو مخاطب کر کے کہی تھی، اسی کو منادیوں کے ذریعے سے پورے ملک کے شہروں اور قریوں میں نشر کرایا گیا ہو گا۔

تَجْرِي مِنْ تَحْتِي وَجْهًا فَلَا يُبَصِّرُونَ ﴿٥٦﴾ أَمْ أَنَّا خَيَّرْنَاهُ هَذَا الَّذِي
هُوَ مَهِينٌ هُوَ لَا يَكُادُ يُبَيِّنُ ﴿٥٧﴾ فَلَوْلَا أُلْقَى عَلَيْهِ أَسْوَرَةً مِنْ
ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلَكُ مُقْتَرِنِينَ ﴿٥٨﴾ فَاسْتَخَفَ قَوْمَهُ
فَأَطَاعُوهُ طَإِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فُسِيقِينَ ﴿٥٩﴾ فَلَهُمَا أَسْفُوْنَا أَنْقَهْنَا مِنْهُمْ

میرے نچے نہیں بہہ رہی ہیں؟ کیا تم لوگوں کو نظر نہیں آتا؟ [۳۶] میں بہتر ہوں یا یہ شخص جو ذلیل و حقیر ہے [۳۷] اور اپنی بات بھی کھول کر بیان نہیں کر سکتا؟ [۳۸] کیوں نہ اس پر سونے کے لئے اتنا رے گئے؟ یا فرشتوں کا ایک دستہ اس کی اردوی میں نہ آیا؟ [۳۹]

اس نے اپنی قوم کو ہلکا سمجھا اور انہوں نے اس کی اطاعت کی، درحقیقت وہ تھے ہی فاسق لوگ۔ [۴۰] آخر کار جب انہوں نے ہمیں غصب ناک کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا

[۳۶] منادی کا یہ مضمون ہے صاف بتا رہا ہے کہ ہر جیسی کے پاؤں تکے سے زمین لگلی جا رہی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پے در پے مجررات نے ملک کے عوام کا عقیدہ اپنے دیوتاؤں پر سے متزلزل کر دیا تھا اور فراعن کا باندھا ہوا وہ سارا طلس مٹوٹ گیا تھا جس کے ذریعہ سے خداوں کا اوتار بن کر یہ خاندان مصر میں اپنی خداوندی چلا رہا تھا۔ اسی صورت حال کو دیکھ کر فرعون چیخ اٹھا کہ کم بخوبی، تمہیں آنکھوں سے نظر نہیں آتا کہ اس ملک میں بادشاہی کس کی ہے اور دریائے نیل سے نکلی ہوئی نہیں جن پر تمہاری ساری معیشت کا انحصار ہے، کس کے حکم سے جاری ہیں؟ یہ ترقیات (Developments) کے کام تو میرے خاندان کے کیے ہوئے ہیں، اور تم گرویدہ ہو رہے ہو اس فقیر کے۔

[۳۷] یعنی جس کے پاس نہ مال و دولت ہے نہ اختیار و اقتدار۔

[۳۸] سورہ طہ میں گزر چکا ہے کہ حضرت موسیٰ کو جب نبوت کے منصب پر سرفراز کیا جا رہا تھا اس وقت انہوں نے حق تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ میری زبان کی گردھوں دیجیے تا کہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ لیں، اور اسی وقت ان کی دوسری درخواستوں کے ساتھ یہ درخواست بھی قبول کر لی گئی تھی (آیات ۳۶-۳۷) لہذا فرعون کے اعتراض کی بنا کوئی لکنست نہ تھی جو آس حضرت کی زبان میں ہو، جیسا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ شخص نہ معلوم کیا ابھی ابھی باقیں کرتا ہے، مابدلوں کی سمجھیں تو کبھی اس کا مدد عا آیا نہیں۔

[۳۹] فرعون کا مطلب یہ تھا کہ اگر واقعی موسیٰ (علیہ السلام) کو آسمان کے بادشاہ نے اس جانب کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا تو اسے خلعتِ شاہی ملا ہوتا اور فرشتوں کے پرے کے پرے اس کے ساتھ آئے ہوتے۔

[۴۰] اس مختصر سے فقرے میں ایک بہت بڑی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ جب کوئی شخص کسی ملک میں اپنی مطلق العنانی چلانے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے لیے کھلماں کھلا ہر طرح کی چالیں چلتا ہے، ہر فریب اور مکروہ غاصے کا ملیتا ہے، کھلے بازار میں ضمیروں کی خرید و فروخت کا کاروبار چلاتا ہے، اور جو بکتنے نہیں بے دریغ کچلتا اور رومنتا ہے، تو خواہ زبان سے وہ یہ بات نہ کہے مگر اپنے عمل سے صاف ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ درحقیقت اس ملک کے باشندوں کو عقل اور اخلاق اور مرادگی کے لحاظ سے ہلکا سمجھتا ہے، اور اس نے ان کے متعلق یہ

فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا وَمَثَلًا لِلآخِرِينَ ۝ وَلَهُمَا ۝
ضُرِبَ أَبْنُ مَرِيمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمًا مِنْهُ يَصْلُدُونَ ۝ وَقَالُوا إِنَّا لِهُنَّا
خَيْرًا مُهُوتًا مَاضِرُ بُوْهَ لَكَ إِلَاجْدَلًا طَلْبَهُمْ قَوْمٌ خَصِّصُونَ ۝
إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِبَنِي إِسْرَائِيلَ ۝

اور ان کو اکٹھا غرق کر دیا اور بعد والوں کے لیے پیش رہا اور نمونہ عبرت بنانے کر کھدایا۔ [۵۱]
اور جو نبی کہ ابن مریم کی مثال دی گئی، تمہاری قوم کے لوگوں نے اس پر غل مچا دیا اور لگے کہنے کہ ہمارے
معبدوں اچھے ہیں یا وہ؟ [۵۲] یہ مثال وہ تمہارے سامنے محض کچھ بحثی کے لیے لائے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ ہیں ہی جھگڑا لو
لوگ۔ ابن مریم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک بندہ تھا جس پر ہم نے انعام کیا اور بنی اسرائیل کے لیے اُسے اپنی قدرت
کا ایک نمونہ بنادیا۔ [۵۳]

رانے قائم کی ہے کہ میں ان بے وقوف، بے ضمیر اور بزدل لوگوں کو جھڑھڑا ہوں ہاں کر لے جاسکتا ہوں۔ پھر جب اس کی یہ تدبیریں کامیاب
ہو جاتی ہیں اور ملک کے باشندے اس کے دست بستہ غلام بن جاتے ہیں تو وہ اپنے عمل سے ثابت کر دیتے ہیں کہ اس خبیث نے جو کچھ
انہیں سمجھا تھا، واقعی وہ وہی کچھ ہیں۔ اور ان کے اس ذلیل حالت میں بتلا ہونے کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ بنیادی طور پر ”فاسق“ ہوتے
ہیں۔ ان کو اس سے کچھ بحث نہیں ہوتی کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ ان کے لیے اصل اہمیت صرف اپنے ذاتی مقادیر کی ہوتی ہے۔

[۵۴] یعنی جوان کے انجام سے سبق نہ لیں اور انہی کی روشن پر چلیں ان کے لیے وہ پیش رو ہیں، اور جو سبق لینے والے ہیں ان
کے لیے نمونہ عبرت۔

[۵۵] اس سے پہلے آیت ۳۵ میں یہ بات گزر چکی ہے کہ ”تم سے پہلے جو رسول ہو گزرے ہیں ان سب سے پوچھ دیکھو، کیا ہم
نے خدا نے رحمن کے سوا کچھ دوسرے معبدوں بھی مقرر کیے تھے کہ ان کی بندگی کی جائے؟“ یہ تقریر جب اہل ملکہ کے سامنے ہو رہی تھی تو
ایک شخص نے، جس کا نام روایات میں عبد اللہ بن الزّبیری آیا ہے، اعتراض جڑ دیا کہ کیوں صاحب، عیسائی مریم کے بیٹے کو خدا کا بیٹا
قرار دے کر اس کی عبادت کرتے ہیں یا نہیں؟ پھر ہمارے معبدوں کیا برے ہیں؟ اس پر فقار کے مجھ سے ایک زور کا قپھہ ملندا ہوا اور غرے
لگنے شروع ہو گئے کہ اس کا گیا جواب ہے۔ لیکن ان کی اس بیبودگی پر سلسلہ کلام توڑ انہیں کیا، بلکہ جو مضمون چلا آرہا تھا، پہلے اُسے مکمل کیا
گیا، اور پھر اس سوال کی طرف توجہ کی گئی جو معرض نے اٹھایا تھا۔

[۵۶] قدرت کا نمونہ بنانے سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بے باپ کے پیدا کرنا، اور پھر ان کو وہ مجرزے عطا کرنا ہے جو نہ
ان سے پہلے کسی کو دیے گئے تھے ان کے بعد۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا منشایہ ہے کہ محض اس غیر معمولی پیدائش اور ان عظیم مجرزات کی وجہ
سے ان کو بندگی سے بالآخر سمجھنا اور خدا کا بیٹا قرار دے کر ان کی عبادت کرنا غلط ہے۔ ان کی حیثیت ایک بندے سے زیادہ کچھ نہ تھی ہے
ہم نے اپنے انعامات سے نواز کر اپنی قدرت کا نمونہ بنادیا تھا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، آل عمران، آیات ۳۵، ۳۹ تا ۴۱، النساء،
آیات ۱۵۶۔ المائدہ، آیات ۷، ۱۰، ۱۱۔ مریم، آیات ۱۹ تا ۳۵۔ الانبیاء، آیات ۹۱ تا ۹۲۔ المؤمنون، آیت ۵۰، ۵۱)

وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلِكِكُمْ فِي الْأَرْضِ يَخْلُقُونَ^{۴۳}
 وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَ بِهَا وَاتَّبِعُونِي هَذَا صِرَاطٌ
 مُسْتَقِيمٌ^{۴۴} وَلَا يُصِدُّكُمُ الشَّيْطَنُ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ^{۴۵}
 وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبُيْنَتِ قَالَ قَدْ جَعَلْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلَا بَيْنَ
 لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَآتِيْعُونَ^{۴۶}

ہم چاہیں تو تم سے فرشتے پیدا کر دیں [۵۳] جو زمین میں تمہارے جانشین ہوں۔ اور وہ (یعنی ابن مریم) دراصل قیامت کی ایک نشانی ہے، [۵۴] اپس تم اس میں شک نہ کرو اور میری بات مان لو، یہی سیدھا راستہ ہے، ایسا نہ ہو شیطان تم کو اس سے روک دے [۵۵] کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور جب عیسیٰ صریح نشانیاں لیے ہوئے آیا تھا تو اس نے کہا تھا کہ ”میں تم لوگوں کے پاس حکمت لے کر آیا ہوں، اور اس لیے آیا ہوں کہ تم پر بعض ان باتوں کی حقیقت کھول دوں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو، لہذا تم اللہ سے ڈراؤ اور میری اطاعت کرو۔

[۵۴] دوسری ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم میں سے بعض کو فرشتہ بنادیں۔

[۵۵] اس فقرے کا یہ ترجمہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ قیامت کے علم کا ایک ذریعہ ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ”وہ“ سے کیا چیز مراد ہے؟ حضرت حسن بصری اور سعید بن جبیر کے نزدیک اس سے مراد قرآن ہے، یعنی قرآن سے آدمی یہ علم حاصل کر سکتا ہے کہ قیامت آئے گی۔ لیکن یہ تفسیر سیاق و سبق سے بالکل غیر متعلق ہے۔ سلسلہ کلام میں کوئی قرینہ ایسا موجود نہیں ہے جس کی بنا پر یہ کہا جاسکے کہ اشارہ قرآن کی طرف ہے۔ دوسرے مفسرین قریب قریب بالاتفاق یہ رائے رکھتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ ابن مریم ہیں اور یہی سیاق و سبق کے لحاظ سے درست ہے۔ اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت کو قیامت کی نشانی یا قیامت کے علم کا ذریعہ کس معنی میں فرمایا گیا ہے؟ بہت سے مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ کا نزول ہانی ہے جس کی خبر بکثرت احادیث میں وارد ہوئی ہے، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ جب دوبارہ دنیا میں تشریف لا کیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ قیامت اب قریب ہے۔ لیکن ان بزرگوں کی جالالت قدر کے باوجود یہ ماننا مشکل ہے کہ اس آیت میں حضرت عیسیٰ کی آمد ہانی کو قیامت کی نشانی یا اس کے علم کا ذریعہ کہا گیا ہے۔ اس لیے کہ بعد کی عبارت یہ معنی لینے میں مانع ہے۔ اُن کا دوبارہ آنا تو قیامت کے علم کا ذریعہ صرف ان لوگوں کے لیے بن سکتا ہے جو اس زمانہ میں موجود ہوں یا اس کے بعد پیدا ہوں۔ کفار مکہ کے لیے آخر وہ کیسے ذریعہ علم قرار پاسکتا تھا کہ ان کو خطاب کر کے یہ کہنا صحیح ہوتا کہ ”پس تم اس میں شک نہ کرو۔ لہذا ہمارے نزدیک صحیح تفسیر وہی ہے جو بعض دوسرے مفسرین نے کی ہے کہ یہاں حضرت عیسیٰ کے بے باپ پیدا ہونے اور ان کے مٹی سے پرندہ بنانے اور مردے جلانے کو قیامت کے امکان کی ایک دلیل قرار دیا گیا ہے، اور ارشاد خداوندی کا نشانی ہے کہ جو خدا باب کے بغیر بچ پیدا کر سکتا ہے، اور جس خدا کا ایک بندہ مٹی کے پتلے میں جان ڈال سکتا اور مردوں کو زندہ کر سکتا ہے اُس کے لیے آخر تم اس بات کو کیوں ناممکن سمجھتے ہو کہ وہ تین اور تمام انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دے۔

[۵۶] یعنی قیامت پر ایمان لانے سے روک دے۔

إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا اصْرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ^{۵۷}
 فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ
 عَذَابٍ يَوْمَ الْيَمِينِ^{۵۸} هَلْ يُنْظَرُونَ إِلَّا السَّاعَةُ أَنْ تَأْتِيهِمْ
 بَعْتَدًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ^{۵۹} أَلَا خَلَاءٌ يُوْمَ مَيْدَنٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ
 عَدُوٌّ إِلَّا الْمُسْتَقِيمُونَ^{۶۰} يُعِبَادُ لَا خُوفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا
 أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ^{۶۱} أَلَّذِينَ أَمْنَوْا بِاِيمَانٍ وَكَانُوا مُسْلِمِينَ^{۶۲}

حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ اُسی کی تم عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے، [۵۷] مگر (اس کی اس صاف تعلیم کے باوجود جو) گروہوں نے آپس میں اختلاف کیا، [۵۸] اپس تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے ظلم کیا ایک دردناک دن کے عذاب سے۔

کیا یہ لوگ اب بس اسی چیز کے منتظر ہیں کہ اچانک ان پر قیامت آجائے اور انھیں خبر بھی نہ ہو؟ وہ دن جب آئے گا تو متقین کو چھوڑ کر باقی سب دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے [۵۹] اُس روز ان لوگوں سے جو ہماری آیات پر ایمان لائے تھے اور مطیع فرمان بن کر رہے تھے کہا جائے گا کہ ”اے میرے بندو، آج تمہارے لیے کوئی خوف نہیں اور نہ تمہیں کوئی غم لا حق ہو گا۔

[۵۷] یعنی عیسائی خواہ کچھ کرتے اور کہتے رہیں عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی نہیں کہا تھا کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں اور تم میری عبادت کرو، بلکہ ان کی دعوت وہی جو دوسرے تمام انبیاء کی دعوت تھی اور اب جس کی طرف محمد ﷺ کو بارہے ہیں۔ (تشریح کے لیے ملاحظہ ہو، آل عمران، آیات ۵۰، ۵۱، ۵۴، ۵۵ مع حاشیہ ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۴۱، ۴۲، النساء، آیات ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴۔ المائدہ، آیات ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳۔ مریم، آیت ۳۰)

[۵۸] یعنی ایک گروہ نے اُن کا انکار کیا تو مخالفت میں اس حد تک پہنچ گیا کہ اُن پر ناجائز ولادت کی تہمت لگائی اور ان کو اپنے نزدیک سولی پر چڑھا کر چھوڑا۔ دوسرے گروہ نے اُن کا اقرار کیا تو عقیدت میں بے تحاشا غلوکر کے ان کو خدا بنا بیخا اور پھر ایک انسان کے خدا ہونے کا مسئلہ اس کے لیے اسی گھنی بنا جسے سمجھاتے سمجھاتے اُس میں بے شمار فرقے بن گئے۔ (تشریح کے لیے ملاحظہ ہو، النساء، حواشی ۲۱۸-۲۱۹، المائدہ، حواشی ۳۰، ۳۹، ۱۰۱، ۱۳۰)

[۵۹] دوسرے الفاظ میں صرف وہ دوستیاں باقی رہ جائیں گی جو دنیا میں نیکی اور خدا ترسی پر قائم ہیں۔ دوسری تمام دوستیاں دشمنی میں تبدیل ہو جائیں گی، اور آج گراہی، ظلم و تسم اور معصیت میں جو لوگ ایک دوسرے کے یار و مددگار ہتے ہوئے ہیں، بلکہ قیامت کے روز وہی ایک دوسرے پر اذرام ڈالنے اور اپنی جان چھڑانے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں بار بار جگہ جگہ بیان کیا گیا ہے تاکہ ہر شخص اسی دنیا میں اچھی طرح سوچ لے کہ کن لوگوں کا ساتھ دینا اس کے لیے مفید ہے اور کن کا ساتھ تباہ کن۔